اقبال کا ایک خواب اور اس کا مآخذ

عبد الخالق بٹ

خواب انسانی زندگی کا عمومی تجربہ ہے، ہر عہد میں خواب اور اُن کی تعبیرات کو اہم سمجھا گیا ہے، تاہم اگر دینی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صرف انبیاؑ کے باب میں خواب کو حجت کا مقام حاصل ہے۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت محمدﷺ کے خوابوں کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔[۱] اس کے علاوہ قصۂ یوسفؑ کے ضمن فرعون یوسف[۲] کا خواب بھی قابل ذکر ہے۔

کسی بھی ولی، فقیہ یا صوفی کا خواب خود اُس کے لیے تو اشارہ غیبی ہو سکتا ہے مگر اس خواب کو امت کے لیے قطعی طور پر حجت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس حقیقت کے باوجود خواب اور ان کی تعبیرات شاہ و گدا سب کے لیے ہمیشہ ہی حیرت و استعجاب اور دلچسپی کا سبب رہے ہیں۔

خوابوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر محدثین نے اس حوالے سے وارد ہونے والی روایات کا ایک قابل ذکر ذخیرہ محفوظ کیا ہے اور انھیں مختلف عنوانات کے تحت اپنے مجموعہ ہائے احادیث میں درج کیا ہے۔[۳]

چونکہ حدیث پاک میں سچے خوابوں کو مبشرات سے تعبیر کیا گیا ہے[۴] اس لیے اولیائے کرام و صوفیائے عظام نے خواب کو بطور خاص موضوع بحث بنایا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے ادب اسلامی میں مستقل موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے، اور ہر زمانے میں اس حوالے سے کتب تصنیف کی جاتی رہی ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر غلام قادر لون نے اپنی کتاب خواب کی حقیقت، تحقیق کی روشنی میں میں ایک سو پندرہ کتابوں کا تعارف پیش کیا ہے۔[۵]

خواب کی اقسام حدیث کی روشنی میں

ابو عبد اللہ محمد ابن عبد اللہ الحاکم النیشاپوری (۴۰۵ھ۔ ۲۳۱ھ) خوابوں کے حوالے سے اپنی مستدرک میں درج ذیل حدیث لائے ہیں، جس کے مطابق خوابوں کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

الرویا ثلاث فالرویا الحسنة بشر من اللہ عزوجل و الرویا یحدث بھا الرجل نفسہ والرویا تحزین من الشیطن-

خواب تین طرح کے ہوتے ہیں، سچا و نیک خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوتا ہے، اور ایسا خواب جس میں آدمی اپنے نفس سے ہی گفتگو کرے، تیسرا ایسا خواب جس میں شیطان کی طرف سے ڈرانا ہے۔[۶]

خواب کی نفسیاتی اور سائنسی توجیہہ

یورپ کی نشاتِ ثانیہ کے ساتھ ہی جہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ علوم و فنون میں اکتشاف و انکشاف کا آغاز ہوا وہیں خواب کو بھی موضوعِ بحث لایا گیا اور یوں مذہب کے بعد خواب کی درج ذیل نفسیاتی و سائنسی توجیہات سامنے آئیں۔

مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائیڈ (۱۹۹۳ء۔ ۱۸۵۶ء) کا خیال تھا کہ خواب ہمارے ماضی کے تجربوں پر دارومدار رکھتے ہیں۔ ان کا ہمارے مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ انسان کی تمام تر دبی ہوئی خواہشیں، خوف، سماجی ضابطے جو کہ لاشعور میں موجود ہیں، خوابوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ خواب واضح طور پر ان خواہشوں کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ تمثیلی طور پر دکھائی دیتے ہیں۔[۷]

خواب عام طور پر ان عوامل پر مشتمل ہوتے ہیں جن سے ہمیں روزمرہ زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ یہ خواب ہمارے تحت الشعور میں موجود وہ باتیں ہوتی ہیں جن سے ہمیں حالات وواقعات کی صورت میں واسطہ پیش آتا ہے۔ ہمارے لاشعور کی یادیں خواب میں نمایاں ہو جاتی ہیں اور شعور ولاشعور باہمی مکالمہ کرنے لگ جاتے ہیں، انسان کی امیدیں اور خواہشات ممثل ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔[۸]

یوں خواب کو ماضی کا تجربہ قرار دیں یا شعور و لاشعور کا مکالمہ بہر حال علم نفسیات 'گفتگوئے نفس' کی حد تک حدیث نبوی کا مؤید نظر آتا ہے۔

خواب پر سائنسی حوالے سے تحقیق کرنے والوں کا نقطۂ نظر ماہرین نفسیات سے مختلف ہے، سائنسدانوں کے مطابق خواب ایک خودکار عمل ہے، جو عام طور پر نیند کے ڈیڑھ گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ دماغ کے مخصوص مقام میں پیدا ہونے والی برقی لہروں اور کیمیائی مادوں کے ربط وارتباط کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔[۹]

خواب کی مذکورہ دینی، نفسیاتی اور سائنسی توجیہات کی روشنی میں نفس سے گفتگو، لاشعور کی کارفرمائی اور دماغ کے کیمیائی مادوں اور برقی لہروں کے تال میل کا نتیجے میں زندگی کے عمومی حالات وواقعات کا دورانِ نیند جلوہ گر ہونا قطعی طور پر 'مبشرات' کی تعریف میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ یہ محض ہماری زندگی کے وہ واقعات ومشاہدات ہیں جنھیں شاید بے ربط نشر مکرر سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

علامہ اقبال کا ایک خواب

۱۶-۱۷ اپریل ۱۹۰۹ء (جمعہ و شنبہ) کی درمیانی شب علامہ اقبالؒ بھی ایک ایسے ہی تجربے سے دوچار ہوئے جس کے دوران اُن کے تحت الشعور میں موجود کچھ یادیں اور باتیں پردہ خواب پر نمایاں ہوئیں۔ چنانچہ آپ ۱۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو عطیہ فیضی (۱۸۷۷-۱۹۶۷) کے نام ایک خط میں رقم طراز ہیں:

گزشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گزرنا پڑا، میں نے محسوس کیا کہ دوزخ تو سردی کے لحاظ سے ایک برفستان ہے۔ دوزخ کے اربابِ اختیار نے میری حیرت کو بھانپ لیا اور کہا کہ اس مقام کی فطرت تو حد درجہ بارد (سرد) ہے، لیکن اس سے گرم تر مقام فہم و گمان سے بالاتر ہے کیونکہ اس کے گرمانے کے لیے ہر شخص اپنا ایندھن ساتھ لاتا ہے۔[۱۰]

بات یہیں تمام نہیں ہوئی کہ علامہ خواب میں ایک عجب رمز سے آشنا ہوئے اور اُسے بصد شوق ضبط تحریر میں لے آئے، بلکہ آنے والے دنوں میں علامہ اقبالؒ نے اپنے اس خواب کو "سیر فلک" کے عنوان سے نظم کیا جو بعد ازاں بانگ درا کا حصہ بنا، اور پھر یہی نظم 'جاوید نامہ کی تمہید ثابت ہوئی۔[۱۱]

زیر بحث موضوع کی تفہیم کے لیے یہاں نظم کا متن درج کیا جاتا ہے:

سیر فلک

تھا تخیل جو ہم سفر میرا　　آسماں پر ہوا گزر میرا
اُڑتا جاتا تھا اور نہ تھا کوئی　　جاننے والا چرخ پر میرا
تارے حیرت سے دیکھتے تھے مجھے　　رازِ سر بستہ تھا سفر میرا
حلقۂ صبح و شام سے نکلا　　اس پرانے نظام سے نکلا
کیا سناؤں تمھیں ارم کیا ہے　　خاتمِ آرزوئے دیدہ و گوش
شاخ طوبیٰ پہ نغمہ ریز طیور　　بے حجابانہ حور جلوہ فروش
ساقیانِ جمیل جام بدست　　پینے والوں میں شورِ نوشا نوش
دور جنت سے آنکھ نے دیکھا　　ایک تاریک خانہ سرد و خموش
طالع قیس و گیسوئے لیلیٰ　　اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر　　کرۂ زمہریر ہو روپوش
میں نے پوچھی جو کیفیت اس کی　　حیرت انگیز تھا جواب سروش

یہ مقام خنک جہنم ہے　　　　نار سے، نور سے تہی آغوش
شعلے ہوتے ہیں مستعار اس کے　　　　جن سے لرزاں ہیں مرد عبرت کوش
اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں　　　　اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں[۱۲]

علامہ نے مذکورہ خط میں .... 'گزشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گزرنا پڑا'.... درج کیا ہے، تاہم نظم میں اس "خواب" کو "تخیل" سے جہنم سے گزرنے کے اس "تجربے" کو "مشاہدے" سے بدل دیا

دور جنت سے آنکھ نے دیکھا
ایک تاریک خانہ سرد و خموش[۱۳]

اگر ہم خط کے متن میں شامل "جہنم سے گزرنے" کے ذکر پر تھوڑا سا غور کریں تو درج ذیل پہلو نمایاں ہوتا ہے، جسے زیر بحث موضوع کی تفہیم میں خشت اول کی حیثیت حاصل ہے:

قرآن سے اُنسیت، اُس کی تلاوت اور اُس کے معنی و مطالب پر غور و خوض علامہ اقبالؒ کا محبوب عمل تھا۔ ایک موقع پر جب علامہ سے اُن کے مطالعے سے گزرنے والی سب سے "بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب" کی بابت استفسار کیا گیا تو آپ کا دوٹوک جواب تھا:.... "قرآن حکیم"۔[۱۴]

ایک ایسا شخص جو سال ہا سال قرآن کے مطالعے میں غرق رہا ہو، اور جس کی حکمت کے سوتے قرآن سے پھوٹتے ہوں، کیسے ممکن ہے کہ اُس کی نظر سے قرآن پاک کی درج ذیل آیت نہ گزری ہو اور اس نے ان کے معنی و مفاہیم پر توجہ نہ دی ہو:

وَ اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتۡمًا مَّقۡضِیًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾

تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو، یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذِمہ ہے۔ پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اُسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔[۱۵]

اب اگر اس آیت کی روشنی میں اقبالؒ کا بیان ایک بار پھر پڑھا جائے.... "گزشتہ رات میں خواب میں بہشت میں گیا لیکن جہنم کے دروازوں سے ہو کر گزرنا پڑا".... تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ "جہنم سے گزرنے" کا معاملہ محض خواب نہیں بلکہ ایک امر واقع ہے، اور قرآن میں اس کا بیان مومنوں کے لیے بطور عبرت اور نافرمانوں کے لیے بطور انذار آیا ہے۔ پھر پل صراط اور اُس سے متعلق روایات بھی پیش نظر رہیں تو بات کی تفہیم مزید سہل ہو جاتی ہے۔ در حقیقت علامہؒ کا "جہنم سے گزر" ان کے مطالعہ

قرآن کا پرتو تھا، تاہم وہ اسے خواب سے زیادہ کچھ نہ سمجھ سکے۔

سرد جہنم کا تصور

علامہ کے خواب و خط بلکہ نظم کا مرکزی حصہ بھی "سرد جہنم" ہے، چونکہ جہنم کے عمومی بیان میں آگ کو ایک لازمی عنصر کی حیثیت حاصل ہے، ایسے میں اگر کوئی جہنم کو "برفستان" اور "حد درجہ بارد" کہے تو یہ بات تعجب خیز ہو جاتی ہے، اسی لیے جب اقبال نے بھی "خواب" میں جہنم کو یخ بستہ پایا تو اُن کو جس حیرت و استعجاب کا سامنا کرنا پڑا وہ خط کے مذکورہ حصے سے ہویدا ہے:

میں نے محسوس کیا کہ دوزخ تو سردی کے لحاظ سے ایک برفستان ہے۔ دوزخ کے اربابِ اختیار نے میری حیرت کو بھانپ لیا۔[۱۶]

پھر اس "سرد جہنم" کی کیفیت نظم یوں ہوتی ہے:

دور جنت سے آنکھ نے دیکھا　　ایک تاریک خانہ، سرد و خموش
طالع قیس و گیسوئے لیلیٰ　　اس کی تاریکیوں سے دوش بدوش
خنک ایسا کہ جس سے شرما کر　　کرۂ زمہریر ہو روپوش[۱۷]

اقبال کا "سرد جہنم" بھی دراصل ان کے وسیع مطالعے ہی کا عکس ہے، کیونکہ ادبیات عالم میں سرد جہنم کا ذکر بہ تفصیل ملتا ہے، تاہم ادبیات عالم کے ذکر سے قبل نظم کے مندرجہ بالا حصے میں موجود لفظ "کرۂ زمہریر" کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے جو زیر بحث موضوع میں داخلی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے۔

"زمہریر" عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا اطلاق جاڑے یا شدید ٹھنڈ پر ہوتا ہے، خود قرآن میں یہ لفظ اسی معنی و مفہوم میں وارد ہوا ہے۔ سورہ الدھر میں ارشاد خداوندی ہے:

مُّتَّكِـِٔيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۚ ﴿۱۳﴾

وہاں وہ اُونچی مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ انھیں دھوپ کی گرمی ستائے گی نہ جاڑے کی ٹھر۔[۱۸]

قرآن کی طرح احادیث میں بھی "زمہریر" کا اطلاق شدید ٹھنڈ کے طور پر ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتْ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنْ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنْ الزَّمْهَرِيرِ-

جب گرمی تیز ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی آگ کی بھاپ

کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے میرے رب! (آگ کی شدت کی وجہ سے) میرے بعض حصے نے بعض حصے کو کھالیا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں۔ اب انتہائی سخت گرمی (الحر) اور سخت سردی (الزمھریر) جو تم لوگ محسوس کرتے ہو وہ اسی سے پیدا ہوتی ہے۔[۱۹]

عربی کی طرح اردو زبان میں بھی لفظ "زمہریر" انھی معنی میں مستعمل ہے، چنانچہ اردو زبان کی معتبر لغت فرہنگ آصفیہ میں زمہریر کے بیان میں درج ہے:

"زمہریر" عربی الاصل لفظ ہے، جو "زم" بمعنی سرمائے شدید اور "ہریر" بمعنی کنندہ (نہایت سرد کر دینے والا) سے مرکب ہے۔[۲۰]

یہ عربی الاصل لفظ اردو زبان کے معروف شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب کے ہاں بھی اسی معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے ع

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر
تا نہ دے بادِ زمہریر، آزار[۲۱]

"زمہریر" کے معنی و مفہوم اور عربی و اردو میں اُس کے یکساں اطلاقات کے بعد اب لفظ "کرۂ زمہریر" کی وضاحت بھی دیکھیے:

"کرۂ زمہریر" سے متعلق سید احمد دہلویؒ رقمطراز ہیں کہ:

کرۂ ہوا کا یہ طبقہ نہایت سرد ہے جو کرۂ نار کے نیچے اور کرۂ ارض کے اوپر واقع ہے اور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ کافروں کو اس میں عذاب دیا جائے گا۔[۲۲]

مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں یہ سوچنا بھی محال ہے کہ "شاید علامہ اقبال کے نزدیک زمہریر یا کرۂ زمہریر کے معنی متعین نہ ہوں" جب کہ انھوں نے اس ترکیب کو زیر بحث نظم میں انھی معنی و مفہوم میں برتا ہے۔ پھر یہ کہ جہاں تک حرف شناسی کا تعلق ہے تو علامہ اقبالؒ کی عربی و فارسی زبانوں سے واقفیت نے انھیں فرہنگ آصفیہ کا حافظ بنا دیا تھا۔[۲۳]

اسلامی ادبیات میں سرد جہنم کا تصور

علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹ ھ۔ ۹۱۱ھ بمطابق ۱۵۰۵ء۔ ۱۴۴۵ء) نے اپنی کتاب البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ میں جہنم کی سردی کے تذکرے کے بعد ایک اور روایت بیان کی ہے جس میں جہنم کی سردی کی شدت کا بیان ہے:

حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

.... جب سخت گرمی کا دن ہوتا ہے تو بندہ کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ آج کتنی سخت گرمی ہے! اے اللہ! مجھے جہنم کی آگ سے بچا لیجیے! تو اللہ تبارک و تعالیٰ جہنم سے فرماتے ہیں: بے شک میرے بندے نے تجھ سے میری پناہ مانگی ہے اور بے شک میں نے اس کو پناہ دے دی۔ اور جب سخت سردی کا دن ہوتا ہے تو بندہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ آج کتنی سخت سردی ہے! اے اللہ! مجھے جہنم کی ٹھنڈک سے بچا لیجیے! تو اللہ تعالیٰ جہنم سے فرماتے ہیں: بے شک میرے بندے نے تیری ٹھنڈک سے میری پناہ طلب کی ہے اور میں نے اس کو پناہ دے دی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہنم کی سردی (زمہریر) کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ایک کنواں ہے جس میں کافر پھینکا جائے گا، وہاں کی سخت سردی کی وجہ سے کافر کے جسم کے اعضاء ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گے۔[۲۴]

جہنم میں ٹھنڈک کی شدت کا احوال اور بھی کئی مقامات پر بیان ہوا ہے۔[۲۵] علامہ اقبالؒ جنت و جہنم کے حوالے سے اپنے مخصوص نقطہ نظر کے باعث ہر کہ و مہ کو اِن کا حق دار نہیں جانتے تھے۔[۲۶]

مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد[۲۷]

درست یا غلط علامہ اقبالؒ کا یہ نقطہ نظر اس باب میں یقیناً اُن کے وسیع مطالعے اور عمیق غور و فکر کا حاصل تھا، ایسے میں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوزخ کی ٹھنڈ سے متعلق تمام نہیں تو کچھ نہ کچھ روایات ضرور علامہؒ کے مطالعے میں آئی ہوں گی، اور تحت شعور میں محفوظ ''سرد جہنم'' پر مشتمل یہی روایات ''خواب'' میں جلوہ گر ہوئیں۔

''سرد جہنم'' اور ڈیوائن کامیڈی

علامہ اقبالؒ جہاں مشرقی ادب کے شناور تھے وہیں آپ مغربی، بالخصوص انگریزی ادبیات پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ مختلف انگریزی شعراء کے کلام سے ماخوذ نظمیں اور بعض نظموں کا انگریزی اسلوب اس بات کا ثبوت ہے۔ انگریزی ادب کا ذوق انھیں دور طالب علمی ہی سے تھا، اور وہ اسی دور طالبعلمی میں عالمی شہرت یافتہ ادباء کے پائے کا ادب تخلیق کرنے کا عزم رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہؒ کے دیرینہ رفیق اور کالج فیلو غلام بھیک نیرنگ (۱۹۵۲-۱۸۷۶) کی روایت ہے کہ:

ہماری ان سہ سالہ صحبتوں میں اقبال اپنی ایک سکیم بار بار پیش کرتے تھے۔ ملٹن [۱۶۷۴ء-۱۶۰۸ء] کی مشہور نظم [Paradise Lost گمشدہ بہشت] اور [Paradise Regained بازیافتِ بہشت] کا ذکر کر کے کہا کرتے تھے کہ واقعات کربلا کو ایسے رنگ میں نظم کروں گا کہ ملٹن کی Paradise Regained

کا جواب ہو جائے گا،.... میں اتنا اور کہہ دوں کہ اردو شاعری کی اصلاح و ترقی کا اور اس میں مغربی شاعری کا رنگ پیدا کرنے کا ذکر بار بار آیا کرتا تھا۔[۲۸]

دورِ طالب علمی میں ہی یہ رنگ اور یہ عزم آنے والے مہ و سال میں مغربی ادبیات کے ذوق کو مہمیز دینے کا سبب بنا اور اسی دوران میں علامہ کی نظر سے مشہور اطالوی شاعر دانتے الیغوری (۱۳۲۱ـ۱۲۶۵) کی نظم ڈیوائن کامیڈی بھی گزری۔[۲۹] جس میں "سرد جہنم" کا احوال تمثیلاً و تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ موضوع کی تفہیم کے لیے اس کا مختصر احوال پیشِ خدمت ہے:

ڈیوائن کامیڈی میں دانتے نے جہنم کے نو (۹) طبقات یا حلقہ جات بیان کیے ہیں ان میں آخری یا نویں طبقے کو اس نے غداری (Treachery) کا نام دیا ہے۔ یہ طبقہ درج ذیل چار ذیلی حلقوں میں منقسم ہے:

۱۔ کینا(Caina)

۲۔ انٹینورا(Antenora)

۳۔ ٹولیمی(Ptolomea)

۴۔ جودیکا(Judecca)

ان چار ذیلی طبقات کا وسطی حصہ جو مذکورہ جہنم کا سب سے اسفل حصہ بھی ہے، برف کی منجمد جھیل پر مشتمل ہے، جس میں تاریخ کے مختلف ادوار سے تعلق رکھنے والے غداران ملک و ملت اپنے اپنے جرم کی سنگینی کے اعتبار سے برف میں دھنسے آہ و بکا کر رہے ہیں۔ برف کی اس جھیل میں شیطان بھی کمر تک دھنسا ہوا ہے اور یہ شیطان جب جب برف سے نکلنے کے لیے اپنے پروں کو حرکت دیتا ہے تو ان میں سے شدید ٹھنڈی ہوا پیدا ہوتی ہے جو اطراف میں مزید برف پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ جہنم کے اس برفستان میں چلنے والی ہوا کے جھونکے جہنم کے بالائی طبقات تک محسوس کیے جاتے ہیں۔[۳۰]

اگر یہ کہا جائے کہ ۱۹۰۹ء میں جبکہ مذکورہ، خواب، خط اور نظم ظہور میں آئے، علامہ کی صلابت علمی اور مدبرانہ فکر کی تشکیل کے آغاز کا زمانہ تھا[۳۱] لہٰذا ایسے میں فرہنگ آصفیہ پر دسترس اور اسلامی و یورپی ادبیات پر مہارت کی بات قبل از وقت ہے، تو بھی اس بات سے انکار کی گنجایش نہیں کہ علامہ اپنے دورِ طالب علمی میں ہی مغربی ادب سے واقف ہو چکے تھے اور خواب کی "سرد جہنم" اسی واقفیت کا نتیجہ ہے۔ مگر خط میں جو والہانہ پن اور حیرت و استعجاب ہے، اس سے یہی محسوس ہوتا ہے گویا اقبالؒ پہلی دفعہ "سرد جہنم" سے خواب میں ہی واقف ہوئے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبالؒ کی گفتگوؤں[۳۲] میں ڈیوائن کا ذکر ملتا ہے، مگر کہیں بھی (کم از کم راقم کے علم کی حد تک) اقبال نے خواب کی اس "سرد جہنم" پر زیر بحث خط کے سوا کوئی تبصرہ نہیں کیا، حالانکہ نظم، خواب کے بعد ۱۹۰۹ء میں یا اس کے قریبی

زمانے میں لکھی گئی اور بانگ درا، جس میں یہ نظم بعنوان "سیر فلک" شامل ہے ۱۹۲۴ء میں ترتیب پاکر زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ یہ بات ناممکنات میں داخل ہے کہ بانگ درا کی ترتیب و اشاعت کے دوران علامہ کی نظر سے "سیر فلک" کے مندرجات نہ گزرے ہوں، گویا نظم لکھے جانے کے وقت سے لے کر انتقال کے وقت تک علامہ اقبالؒ اس بات کا ادراک ہی نہ کر سکے کہ انھوں نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ ان کے وسیع مطالعے کا پرتو تھا اور اس کی حیثیت گفتگوئے نفس یا شعور و لاشعور کے مکالمے سے زیادہ کچھ نہیں تھی۔

اقبالؒ خط میں اس سرد جہنم کے دہکنے کا راز وہاں کے "ارباب اختیار" کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں:

اس کے گرمانے کے لیے ہر شخص اپنا ایندھن ساتھ لاتا ہے۔

اور یہی بات نظم میں اس طرح ڈھل گئی ہے:

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

"سرد جہنم" کی بحث میں خواب کا یہ حصہ ادبیات اسلامی اور دانتے کے تصورات سے مختلف ہے کیونکہ ان کے ہاں سرد جہنم ایک جداگانہ حیثیت کی حامل ہے۔ اس میں عذاب شدید ترین بلکہ بدترین ٹھنڈ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ اقبال کی "سرد جہنم" اپنی نہاد میں سرد ہے تاہم انسان کے اعمال بد اس کے لیے آگ اور انگار کا کام دیں گے، یوں نافرمان انسان اپنی دہکائی آگ کا ایندھن بن جائیں گے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اقبالؒ کے وسیع مطالعے کے یہ بظاہر منتشر حاصلات (جنت کے راستے کا جہنم سے ہو کر گزرنا، جہنم کا انتہائی بارد ہونا اور اہل جہنم کا اپنی اپنی آگ ساتھ لانا) اپنے داخلی ربط کی بنیاد پر ۱۷۔ ۱۶ اپریل ۱۹۰۹ء کی شب ایک مربوط صورت میں دکھائی دیے، جو اقبال کے لیے اس قدر تحیر خیز اور تعجب انگیز بات ثابت ہوئے کہ انھیں آخر تک یہ ادراک ہی نہ ہو سکا کہ یہ سب باتیں پہلے سے ہی ان کے لاشعور میں موجود تھیں، جو شعور و لاشعور کی مکالمے کے ساتھ "گفتگوئے نفس" کی صورت میں رونما ہوئیں۔ بہر حال اقبال کا یہ خواب جو پہلے خط میں ڈھلا اور پھر نظم کی صورت اختیار کر گیا اپنے خوبصورت اسلوب اور سادہ سے فلسفے کے ساتھ اردو ادب میں خوب صورت اضافہ کر گیا۔

مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "سیر فلک" بانگ درا کی ان نظموں میں سے ایک ہے جنھیں وہ توجہ حاصل نہ ہو سکی جو کہ ان حق تھا۔

❁ ... ❁ ... ❁

حوالہ جات و حواشی

[۱] سورۃ الصافات۔ آیت نمبر:۱۰۲/ سورہ یوسف، آیت نمبر:۶۔۴/ سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر:۶۰/ سورہ فتح، آیت نمبر:۲۷۔

[۲] حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ واقعہ "فراعنۂ مصر" کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ خاندان شاہی نسلی اعتبار سے "عمالقہ" میں سے تھا، مصر کی تاریخ میں ان کو "ہکسوس" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور ان کی اصلیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چرواہوں کی ایک قوم تھی جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قوم عرب سے آئی تھی اور دراصل یہ "عرب عاربہ" ہی کی ایک شاخ تھی نیز قبطی اور عربی زبانوں کی باہمی مشابہت ان کے عرب ہونے کی مزید دلیل ہے اور مصر کے مذہبی تخیل کی بنا پر ان کا لقب "فاراع" (فرعون) تھا اس لیے کہ مصری دیوتاؤں میں سے بڑا مقدس دیوتا آمن راع (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہ وقت اس کا اوتار اور "فاراع" کہلاتا تھا۔ یہی فاراع عبرانی میں فارعن اور عربی میں فرعون کہلایا اور اس زمانے کے فرعون کا نام عرب مؤرخوں نے ریان بتایا ہے اور مصری آثار میں وہ آیونی کے نام سے موسوم ہے۔ (بحوالہ: حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن)

[۳] امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا میں 'کتاب الرؤیا' کے زیر عنوان '۷' احادیث بیان کی ہیں۔
....امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں 'کتاب التعبیر' کے زیر عنوان '۴۸' مختلف ابواب باندھے ہیں جن میں '۶۱' روایات درج ہیں۔
....امام مسلم بن الحجاج القشیری رحمہ اللہ کی صحیح مسلم میں 'کتاب الرؤیا' کے زیر عنوان '۴۱' احادیث بیان ہوئی ہیں۔
....امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی میں 'کتاب الرؤیا عن رسول اللہ صلی علیہ وسلم' کے زیر عنوان '۲۵' روایات درج کی ہیں۔
....امام ابو عبداللہ محمد الربعی القزوینی معروف بہ ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سنن ابن ماجہ میں 'کتاب التعبیر الرؤیا' کے زیر عنوان '۱۰' ابواب قایم کیے اور ان میں '۳۴' احادیث درج کی ہیں۔

[۴] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (مفہوم): "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا (مفہوم): نبوت میں سے صرف اب مبشرات باقی رہ گئی ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ مبشرات کیا ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھے خواب" (بحوالہ: صحیح بخاری، کتاب التعبیر/باب المبشرات۔ ۶۹۹۰)

[۵] لون، ڈاکٹر غلام قادر، خواب کی حقیقت، تحقیق کی روشنی میں، القلم پبلی کیشنز، بارہ مولہ، کشمیر

[۶] حاکم، المستدرک، ۴۲۲:۴، رقم: ۸۱۷۴۔

[۷] شبنم گل، خوابوں کے جزیرے، روزنامہ ایکسپریس، بدھ ۴ ستمبر ۲۰۱۳ء۔

[۸] غامدی، جاوید احمد، وقار ملک، 'خواب' بحوالہ: www.javedahmadghamidi.com

[9] ڈاکٹر منصور الرحمٰن / نیند، خواب اور جدید سائنس بحوالہ:/http://roohanidigest.net

[10] شیخ عطا اللہ، اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، اقبال اکیڈمی پاکستان، ص ۲۴۹۔۲۴۸۔

[11] دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اس نظم کو "سیر فلک" کا نام تو دیا مگر فلک کی "سیر" کا تذکرہ حذف کر کے براہ راست جنت سے جہنم کا احوال بیان کر دیا، اس نظم کو جاوید نامہ کی تمہید کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ نے جاوید نامہ میں شش افلاک کی سیر اور جنت کا احوال تو بیان کیا ہے مگر دوزخ کی جگہ دریائے خونیں کا منظر بیان کر کے دوزخ سے صرف نظر کر گئے ہیں۔

[12] اقبالؒ، کلیات اقبال اردو، "بانگ درا"، بہ اہتمام: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، سال اشاعت: ۱۹۹۰ء بمطابق ۱۴۱۱-۱۴۱۰ھ، ص۱۸۸- ۱۸۷۔

[13] ایضاً

[14] فقیر سید وحید الدین، روزگار فقیر، جلد اول، ناشر مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور، ص۹۳- ۹۲۔

[15] سورہ مریم، آیت :۷۲-۷۱۔

[16] اقبال نامہ، ص ۲۴۹- ۲۴۸۔

[17] کلیات اقبال، اردو، "بانگ درا"، سیر فلک، ص۱۸۸- ۱۷۸۔

[18] سورہ الدھر، آیت نمبر:۱۳۔

[19] صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، حدیث نمبر:۵۳۷۔

[20] دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، اشاعت سوم، مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، اردو بازار، لاہور، ص۴۱۰۔

[21] غالب، مرزا اسد اللہ خان، دیوان غالب، بااہتمام: گوشہ ادب، چوک انار کلی، لاہور، ص ۲۰۰۔

[22] فرہنگ آصفیہ، جلد دوم، ص ۴۱۰۔

[23] صوفی، خالد نظیر، اقبال درون خانہ، جلد دوم، طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، ص۹۱- ۹۰۔

[24] سیوطیؒ، علامہ جلال الدین، البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ، ترجمہ وتہذیب: مولانا عبد العظیم ترمذی صاحب بعنوان: آخرت کے عجیب و غریب حالات، طباعت بار دوم: دسمبر ۲۰۱۱ء، ناشر: بیت العلوم، ہیڈ آفس نابھہ روڈ چوک، پرانی انار کلی، لاہور، ص۵۲۰۔

[25] ایضاً، ص۵۲۱- ۵۲۰۔

[26] ابن ابی دنیا (۸۹۴ء۔۸۲۳ء) کے مطابق حضرت مجاہدؒ (۱۰۴ھ۔۲۱ھ) فرماتے ہیں: "جہنم میں ایک طبقہ زمہریر ہے جب جہنمی جہنم میں اُبالا کھائیں گے تو زمہریر کی طرف بھاگیں گے جب اس میں گریں گے تو ان کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی یہاں تک کہ ان کے ٹوٹنے کی آواز بھی سنائی دے گی"۔
حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ "زمہریر ایسا عذاب ہے کہ اس کی ٹھنڈ کو برداشت کرنے کی اہل جہنم میں طاقت نہیں"۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (ولادت:۳ قبل ہجرت۔ انتقال:۶۸ھ) فرماتے ہیں کہ "اہل جہنم گرمی سے جب فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسی ٹھنڈی ہوا سے کی جائے گی جو ہڈیوں(تک) کو پھاڑ ڈالے گی (جس کی تکلیف سے گھبرا کر) وہ پھر سے آگ طلب کریں گے"۔

عبدالمالک بن عمیر (۱۳۶ھ-۳۳ھ) کہتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے "جہنمی، جہنم کے داروغہ سے فریاد کریں گے کہ ہمیں جہنم کے کناروں کی طرف نکال دے تو وہ انھیں(اُدہر کو) نکال دے گا پس اُن کو ٹھنڈ اور زمہریر قتل کرے گا تو وہ دوبارہ جہنم کی طرف لوٹیں گے (یعنی) ٹھنڈ کی سختی کی وجہ سے دوبارہ جہنم میں لوٹ جائیں گے"۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا جہنم میں ٹھنڈ بھی ہے جس کا نام زمہریر ہے اس میں داخل ہونے سے دوزخیوں کے گوشت گر پڑیں گے یہاں تک کہ وہ دوبارہ جہنم کی گرمی کی فریاد کریں گے۔ بحوالہ http://anwar-e-islam.org

۲۷ ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر کے مطابق "اقبال کے نزدیک موت کے بعد زندگی ہر انسان کا حق نہیں بلکہ اس کی شخصیت کی پختگی کا ثمرہ ہے۔ اگر خودی محکم ہے تو موت پر غلبہ حاصل کرلے گی، نہیں تو موت اسے مٹا دے گی۔ یہی خیال جرمنی کے مشہور فلسفی شاعر گوئٹے کا بھی تھا مگر اس نے اقبال کی طرح اس کی وضاحت نہیں کی۔ مجھے یاد ہے میں نے علامہ اقبال سے پوچھا تھا کہ اگر فقط چند مستحق لوگ ہی مرنے کے بعد زندہ ہوں گے تو پھر جہنم اور جنت کی تفریق کیا ہوئی؟ انھوں نے فرمایا اول تو دوزخ اور جنت مقامات نہیں بلکہ ذہنی حالت کے دونام ہیں اور پھر یہ کہ جہنم کا حق دار ہونا بھی خودی کی قوت کا نتیجہ ہے۔ ابوجہل دوزخ کا ایندھن بنے گا، خالدؓ اور طارقؒ وغیرہ جنت کی کیفیت میں ہوں گے اور عام انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح تلف ہو جائیں گے۔ یہ خیال جسے میں ابھی عرض کرچکا ہوں بہت نرالہ ہے مگر اقبال کے فلسفہ خودی کا لازمی نتیجہ ہے۔(بحوالہ: تاثیر، ڈاکٹر ایم ڈی/اقبال: ایک آفاقی شاعر/ مشمولہ: اقبالیات کے سو سال/ناشر: محمد سہیل عمر، ناظم: اقبال اکادمی پاکستان، لاہور/صفحہ نمبر:۱۵۹

۲۸ نیرنگ، غلام بھیک/اقبال کے بعض حالات/ مشمولہ: اقبالیات کے سو سال/صفحہ نمبر:۷

۲۹ دانتے کو عالمی ادب میں بقائے دوام عطا کرنے والی نظم "ڈیوائن" اصلاً اسلامی ادبیات میں بیان ہونے والے واقعاتِ سیر سماوات کا چربہ ہے۔ دانتے کے اس سرقے کا بھانڈا مشہور ہسپانوی محقق اور جامعہ مجریط (میڈرڈیونیورسٹی) کے پروفیسر اسین پلاشیوس/Asin Palacios (۱۸۷۱-۱۹۴۴) نے پھوڑا۔ انھوں نے ۱۹۲۶ء میں شائع ہونے والی اپنی معرکہ آرا کتاب اسلام اینڈ دی ڈیوائن کامیڈی میں یہ ثابت کیا کہ دانتے کے "کومیدیا" (Commdia) کا اصل ماخذ ادب اسلامی ہے۔ پروفیسر اسین پلاشیوس عربی زبان اور مطالعہ اسلام کے ماہر رومن کیتھولک پادری تھے۔ اپنے سفر یورپ کے دوران علامہ اقبالؒ نے پروفیسر اسین سے ملاقات بھی کی، جو اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اقبالؒ نہ صرف دانتے کی ڈیوائن کامیڈی سے واقف تھے بلکہ وہ اس سرقے کا احوال بھی جانتے تھے۔

اس سرقے کا احوال جاننے کے لیے ملاحظہ کریں ڈاکٹر حبیب الحق ندوی کا مضمون: "اطالوی بیداری۔ دانتے/ابن عربی" مشمولہ، جریدہ ستائیس (۲۷)، چہ دلاور است/مشرق ومغرب میں سرقہ بازی کی تاریخ، بہ اہتمام ادارہ تصنیف و تالیف وترجمہ، جامعہ کراچی۔

30 The Comedy of Dante Alighireri, The Florentine, Cantica 1, HELL, Translated by Dorothy L. Sayers, PENGUIN BOOKS, CANTO XXXIV

۳۱ فراقی، ڈاکٹر تحسین/جمہوریت، اقبال کی نگاہ میں/مشمولہ: اقبالیات کے سو سال/صفحہ نمبر ۸۱۰

۳۲ عبدالرحمن چغتائی (۱۸۹۷ـ۱۹۷۵) کے مطابق .... "علامہ اقبالؒ اپنے کلام کو زیادہ تر انگریزی میں پیش کرنے کے آرزو مند تھے، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ان کا کلام ڈانٹے اور گوئٹے کے مُصوّر اڈیشنوں کے مقابلے میں پیش کیا جائے ....انتقال کی رات سے پیشتر بھی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ مجھے اچھا ہو جانے دو جاوید نامہ کا میں خود ترجمہ کروں گا اور پھر اس کو مُصوّر کرنا، پھر دنیا کو معلوم ہو گا کہ میری شاعری اور میری پرواز اور پیغام کیا ہے اور میرے اور ڈانٹے کے خیالات میں کس قدر تفاوت موجود ہے" (بحوالہ: چغتائی عبدالرحمٰن/میری تصویریں میری اپنی نظر میں/ بحوالہ: عبدالرحمن چغتائی کی شخصیت اور فن مرتبہ ڈاکٹر وزیر آغا/صفحہ نمبر ۲۳۶)

❁...❁...❁